علامہ اقبال اور تحریک احمدیت

ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ *

علامہ محمد اقبال کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں میں قادیانی پیش پیش رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے 1935ء میں اپنے بیانات اور مضامین میں قادیانیت کا پرزور محاسبہ کیا اور اس تحریک کے دینی، سیاسی، معاشی اور تمدنی اثرات سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا۔ انہوں نے پہلی دفعہ یہ مطالبہ پیش کیا کہ ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ یہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ملت اسلامیہ کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے اندر رہ کر ایک نئی امت تشکیل دے رہے ہیں جس کی بنیاد مرزا غلام احمد کی نبوت پر استوار ہے اور جس کے لوازم میں خدا کی وحی کی رو سے مسلمانوں کی تکفیر اور ان سے معاشرتی علیحدگی شامل ہیں۔

قادیانیوں نے علامہ اقبال پر جو الزامات لگائے ہیں ان میں زیادہ تر ان کی وفات کے بعد عائد کیے گئے۔ ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:۔

① علامہ اقبال کے والد اور ان کے بڑے بھائی احمدی تھے ان کا بھتیجا اعجاز احمد قادیانی ہے۔

اس الزام کا جواب یہ ہے کہ علامہ اقبال کے والد سنی مسلمان تھے البتہ ان کے چچا پہلے احمدی ہوئے بعد میں احمدیت ترک کر دی البتہ ان کا بیٹا اعجاز احمد ابھی تک احمدی ہے اس نے ایک کتاب **''مظلوم اقبال''** مرتب کی ہے۔

② علامہ اقبال نے طالب علمی کے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے شدید مخالف سعد اللہ لدھیانوی کے خلاف ایک نظم لکھی جو **''آئینہ حق نما''** مرتبہ شیخ یعقوب علی عرفانی قادیانی میں شائع ہوئی۔

یہ بات غلط ہے یہ نظم کسی اور طالب علم کی ہے جس کا نام شیخ محمد اقبال تھا(۱)۔ قادیانیوں نے اسے علامہ اقبال کے نام منسوب کر دیا۔ نظم پھسپھسی ہے اور علامہ اقبال کی ابتدائی طرز شاعری سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

③ انہوں نے ایک انگریزی رسالہ میں لکھا کہ'' شاید مرزا غلام احمد موجودہ ہندی مسلمانوں میں سب سے

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ اصول الدین، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

بڑے دینی مفکر ہیں''۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے یہ فقرہ ایک طویل بحث کے دوران تحریر کیا ان کا یہ مضمون نظریہ توحید کے متعلق تھا اور اس میں عبد الکریم الجیلانی کے نظریہ انسان کامل پر بحث کی گئی تھی۔ یہ مضمون 1900ء میں رسالہ انڈین انٹی کیوری، بمبئی میں شائع ہوا لیکن اس وقت تک اکثر مسلمانوں کو مرزا صاحب کے اصل دعوے کی حقیقت سے شناسائی نہ تھی وہ کبھی محدثیت کا دعویٰ کرتے اور کبھی ظلی نبوت کا ایسے ہی کبھی نبوت کا اقرار کرتے اور کبھی انکار کرتے تھے۔ انہوں نے نومبر 1901ء میں اپنے رسالہ ''**ایک غلطی کے ازالہ**'' میں کھل کر نبوت کا اعلان کیا یہی جماعت احمدیہ قادیان کا موقف ہے اور یہی موقف اُس وقت پوری احمدیہ جماعت کا تھا۔ لاہور جماعت نے 1914ء میں اختلاف کیا۔ یہ علامہ اقبال کی ایک عمومی رائے تھے۔

④ 1911ء میں علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا کہ ''پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا جسے نام نہاد قادیانی فرقہ کہا جاتا ہے۔'' (۲)

انہوں نے یہ تقریر 1911ء میں کی اس کا اردو ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے **ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر** کے نام سے شائع کیا۔ علامہ محمد اقبال نے اپنے اس خیال سے بعد میں رجوع کر لیا آپ لکھتے ہیں کہ میرے وہ ریمارکس جو 1911ء میں دیئے گئے تھے موجودہ زمانے (1935) میں تحریک کی روح اور اس کی نوعیت کے طشت از بام ہونے کے بعد نظر ثانی کرنے کے لائق ہیں قادیانی بظاہر مسلمان ہیں لیکن اس تحریک کی روح، اسلام کے مخالف ہے۔ بظاہر وہ مسلمان نظر آتے ہیں اور اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرنے کے لیے بیقرار رہتے ہیں لیکن اندرونی طور پر ان کی تمام ذہنیت موبدانہ (یہودی، پارسی وغیرہ) افکار پر مبنی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ تحریک آخر کار بہائیت پر منتج ہو جس سے اس نے بہت کچھ لیا ہے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ خط علامہ اقبال میوزیم لاہور میں موجود ہے۔ (۳)

⑤ کشمیر کمیٹی کی تشکیل (1931ء) کے وقت انہوں نے مرزا محمود احمد کا نام بطور صدر پیش کیا۔ مرزا محمود کی صدارت کے حق میں نواب کنج پورہ، سید حبیب وغیرہ شامل تھے وہ بھی چاہتے تھے کہ مرزا محمود کو صدر بنائیں تاکہ برطانوی حکومت سے بہتر تعلقات ہونے کے باعث وہ کشمیریوں کی کھل کر مدد کر سکیں وہ ان کی سامراج نوازی کو کشمیری مسلمانوں کے مفاد میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔

قادیانیوں کا سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے سر ظفر اللہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر نامزد کردیئے گئے اس نامزدگی میں سر فضل حسین کی کاوشوں کا بڑا دخل تھا قادیان کی احرار کانفرنس 1934ء میں اس کے خلاف ایک قرارداد بھی پاس کی گئی علامہ محمد اقبال چاہتے تھے کہ انہیں وائسرائے کی کونسل کا ممبر بنایا جائے جب یہ نہ ہوسکا تو انہوں نے احمدیوں کی مخالفت شروع کردی ۔

یہ الزام قطعاً غلط ہے علامہ اقبال کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب زندہ رود میں قادیانی الزامات کی پرزور تردید کی ہے۔ (۴) ان کی یہ کتاب نہایت جامع اور قابل مطالعہ ہے۔ علامہ اقبال بخوبی جانتے تھے کہ انگریز ان کو پسند نہیں کرتا اور وہ ان کی توقعات پر پورے نہیں اتر سکتے دوسرے وہ بیمار رہتے تھے، تیسرے فضل حسین کی قائم کردہ پنجاب کی یونینسٹ پارٹی پر تنقید کرتے تھے۔ یہ پارٹی برطانوی سامراج کے مفادات اور پنجاب کے ہندو مسلم اور سکھ جاگیرداروں کی ترجمان تھی قادیانی مسلم لیگ کے مقابلے میں اس جماعت کے طرفدار تھے اس لیے علامہ اقبال کا وائسرائے کی کونسل میں ممبر مقرر ہونے کا بہت کم امکان تھا اس کے برعکس سر ظفر اللہ برطانوی سامراج کے نفس ناطقہ تھے اور سر فضل حسین کے روحانی فرزند تھے وہ اس کے ایماء پر ہندوستان اور لندن کے درمیان سیاسی رابطے کا کام کرتے تھے ایسے وفادار فرد، جس کی جماعت برطانیہ نوازی کا پیکر ہو اور جو خود شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار ہو نظر انداز کر کے علامہ اقبال کو کیسے کونسل میں لیا جاسکتا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ برطانوی انٹیلی جنس کی کی رپورٹ ڈاکٹر اقبال کے خلاف تھی (۵)۔

ڈاکٹر جاوید اقبال علامہ اقبال کے وائسرائے کی کونسل میں تقرر کے مسئلہ پر بڑی عمدہ روشنی ڈالتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ علامہ صاحب کو اس میں کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ :

> ''انگریز حکمران سر فضل حسین پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اس لیے 1932ء میں جب وہ چار ماہ کی رخصت پر گئے تو سر فضل حسین کی سفارش ہی پر سر ظفر اللہ خان کو عارضی طور پر وائسرائے کی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔'' (۶)

اسی طرح جب اکتوبر 1934ء میں مستقل طور پر ظفر اللہ خان کے منصب پر تقرر کا اعلان ہوا، تو اُسے بھی سر فضل حسین کی کوششوں کا نتیجہ سمجھا گیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خان کے ''**زمیندار**'' ''ویکلی میل'' اور ''**مجاہد**'' میں تند و تیز بیانات یا احراریوں کی ایجی ٹیشن صرف سر ظفر اللہ خان کے تقرر یا احمدیوں

کے خلاف ہی نہ تھی بلکہ سر فضل حسین اور یونینسٹ پارٹی کے خلاف بھی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اسی اثناء میں سر ہربرٹ ایمرسن کے خطبہ کے جواب کی صورت میں اقبال کو بھی یونینسٹ احمدی گٹھ جوڑ پر کھل کر تبصرہ کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے احمدیت کی تردید کے ساتھ ساتھ سر فضل حسین کے کردار پر بھی کڑی نکتہ چینی کی۔ سر فضل حسین پر الزام لگایا گیا کہ وہ انگریز حاکموں کے اشارے پر شہری دیہاتی تفریق کے ساتھ احمدیوں کو آگے بڑھا کر پنجاب میں مسلمانوں کے اتحاد پر ضرب کاری لگا رہے ہیں۔ سر فضل حسین وائسرائے کی کونسل میں سر ظفر اللہ خان کے تقرر پر مسلمانوں میں اضطراب سے بخوبی آگاہ تھے انہوں نے اپنے خط مورخہ 24 ستمبر 1934ء بنام سر ظفر اللہ خان میں اس اضطراب کی وجوہات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی تحریر کیا:

''اب انہوں نے اپنی تمام تر توجہ میری طرف مبذول کر لی ہے اور کہتے ہیں کہ زیادہ عرصہ تک اونچے منصب پر فائز رہنے کے سبب میں مسلم رائے عامہ سے بے پرواہ ہو گیا ہوں اور میں نے آمرانہ رویہ اختیار کر لیا ہے۔ خیر، مجھے توقع ہے کہ اب تک آپ کے تقرر کا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ گو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تقرر کے اعلان سے مخالفت ختم ہو جائے گی، بلکہ کچھ بڑھ ہی جائے گی۔ بہر حال دیکھوں گا کہ اس کے خاتمے کے لیے کیا قدم اٹھانے چاہیں۔''(۷)

علامہ اقبال کی اگر وائسرائے کی کونسل کی رکنیت میں دلچسپی تھی تو سر فضل حسین کی ڈائری یا خطوط ہیں' اس کا کہیں ذکر ملتا یا عظیم حسین کی تصنیف میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہوتا۔ دراصل عظیم حسین کا تو گلہ ہی یہی ہے کہ ان کے والد سر فضل حسین اقبال کو انگریزی حکومت میں کسی بلند عہدے پر فائز کروانے کے لیے بار بار کوشش کرتے تھے۔ مگر اقبال ہر بار انگریزی حکومت پر نکتہ چینی کر کے حکومتی حلقوں کا اعتماد کھو دیتے تھے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انگریز حکمران اتنے کمزور نہیں تھے کہ احراریوں کی ایجی ٹیشن پر یا سید عطا اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خان کے اخبارات میں علامہ اقبال کا نام لینے پر انہیں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن مقرر کر دیتے۔ یہ درست ہے کہ اس منصب پر ظفر اللہ خان کی متوقع تقرری کے خلاف **''زمیندار''** اور دیگر اخباروں میں سخت احتجاج ہو رہا تھا اور کہا جا رہا تھا کہ ایک احمدی کے بجائے کسی جلیل القدر مسلمان کو یہ منصب دیا جائے اور اس ضمن میں اقبال کا نام بھی لیا جا رہا تھا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اقبال اس منصب

کے لیے امیدوار تھے، درست نہیں۔ انگریز حکمرانوں کو اس قسم کے تقرر کرتے وقت سب سے پہلے ایسے لوگوں کی تلاش ہوتی جو ان کے اطاعت گزار اور وفادار ہوں نہ کہ ان کے نقاد۔ اس لیے یہ بات پنجاب میں ہر کوئی جانتا تھا کہ وائسرائے کی کونسل کی رکنیت کے لیے اُسی شخص کا تقرر ہوگا جو انگریز حاکموں کی توقعات کے مطابق سر فضل حسین کا صحیح جانشین ہو، جسے سر فضل حسین یا انہی کی طرح کی کسی شخصیت کی حمایت حاصل ہو۔ اور اگر یہ محسوس کیا جاتا کہ مسلم ایجی ٹیشن کے سبب ظفر اللہ خان کا تقرر مناسب نہ رہے گا تو اس منصب کے لیے سر فضل حسین کو کسی اور جانشین کی سفارش کرنے کے لیے کہا جاتا۔ لیکن اقبال جیسی شخصیت جس نے کئی بار انگریزی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا، کے تقرر کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ (۸)

علامہ اقبال کو قادیانیت کے بہتر مطالعے کا موقع 1931ء میں ملا جب ان کو کشمیر کمیٹی میں کام کرنا پڑا۔ آئندہ کے پانچ سالوں میں ان کو قادیانیوں کی سیاسی سرگرمیوں اور تحریک کے مزاج سے زیادہ شناسائی حاصل ہوئی، زیادہ تلخ تجربہ اس وقت ہوا جب وہ نئی تشکیل شدہ کشمیر کمیٹی کے صدر بنے اور قادیانیوں نے ان کو ناکام بنانے کے لیے مختلف حربے اختیار کیے اس موقع پر انہوں نے 20 / جون 1933ء کو ایک بیان جاری کیا جس میں قادیانیوں کے معاندانہ طرزِ عمل کی وضاحت کی گئی تھی (۹)۔ وہ مجلس احرار اسلام کی قادیان میں منعقدہ احرار کانفرنس 1934ء اور شہید گنج کے واقعے 1935ء میں قادیانی طرزِ عمل کے بعد احمدیت کی اصل روح اور ان کے اسلام مخالفت کردار سے کما حقہ واقف ہو گئے تھے۔

2 / مئی 1935ء کو ڈاکٹر اقبال نے اخبارات کو قادیانی مسئلہ پر ایک تاریخی بیان دیا اس میں انہوں نے واضح کیا کہ قادیانیت کی اساس ایک نئی نبوت پر قائم ہے اور قادیانی مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں یہ عقائد اسلام کی وحدت کے خلاف نقب زنی کے مترادف ہیں کیونکہ ملت اسلامیہ کی وحدت کا انحصار ختم نبوت پر ہے۔ موبدانہ (زرتشتی، یہودی، صابی وغیرہ) تمدنوں میں ایسا تصور نہیں اس لیے ان پر مستقل انتظار کی کیفیت طاری رہتی ہے اور کوئی مذہبی سٹہ باز اٹھ کر اپنی دکان سجا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بہائیت، قادیانیت سے زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ اسلام کی کھلی باغی تحریک ہے جب کہ احمدیت اسلامی پہلو کو ظاہر طور پر قائم رکھتے ہوئے اسلام کی روح کو پامال کرتی ہے۔ اس کا حاسد خدا کا تصور جس کے پاس مخالفین کے لیے بلائیں عذاب اور زلزلے وغیرے ہیں اس کا مسیح موعود کا یہودی تصور ایسے امور ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تحریک

یہودیت کی طرف رجوع ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

انسانیت کی تمدنی تاریخ میں ختم نبوت کا تخیل اوّلین ہونے کے علاوہ تمثیلی وتخلیقی ہے۔ اس کی صحیح اہمیت کا اندازہ مغربی اور وسط ایشیاء کے قبل از اسلام کے موبدانہ تمدن کی تاریخ کے بغور مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق موبدانہ تمدن میں زرتشتی، یہودی، نصرانی اور صابی تمام مذاہب شامل ہیں' ان تمام مذاہب میں نبوت کے تسلسل واجراء کا تصور نہایت لازم تھا' اس لیے وہ مسلسل انتظار کی کیفیت میں رہتے تھے۔ موبدانہ انسان کی یہ حالت انتظار غالباً نفسیاتی حظ کا باعث تھی۔ عہد جدید کا انسان روحانی طور پر موبدیت سے بہت زیادہ آزاد منش ہے موبدانہ رویہ کا نتیجہ یہ تھا کہ پرانی جماعتیں ختم ہوتیں اور ان کی جگہ مذہبی عیار (سٹہ باز) نئی جماعتیں لا کھڑی کرتے۔ اسلام کی جدید دنیا میں جاہل اور جوشیلے ملاؤں نے جدید پریس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انتہائی ڈھٹائی سے بیسویں صدی میں قبل از اسلام کے موبدانہ نظریات کو رائج کرنا چاہا۔ یہ ظاہر ہے کہ اسلام میں جو تمام قومیتوں کو ایک ہی رسی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے' ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جو اس کی موجودہ وحدت کے لیے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی معاشرہ میں مزید افتراق وانتشار کا باعث بنے۔

قبل از اسلام کی موبدیت کے احیاء کی دوصورتوں میں سے میرے نزدیک بہائیت' قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے' لیکن مؤخر الذکر اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی' مگر باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے انتہائی مہلک ہے اس کا حاسد خدا کا تصور جس کے پاس مخالفین کے لیے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہیں اور نبی سے متعلق نجومی کا تخیل اور روح مسیح کے لیے تسلسل کا عقیدہ۔ یہ سب اس قدر یہودیانہ ہیں کہ اس تحریک کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی یہودیت کی طرف رجوع کر رہی ہے۔ روح مسیح کا تسلسل مثبت یہودیت کی نسبت یہودی باطنیت کا جز ہے' پولی مسیح بال شیم (Baal Sham) کی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر بوبر لکھتا ہے:

> ''کہا جاتا ہے کہ مسیح کی روح پیغمبروں اور صالح آدمیوں کے ایک طویل سلسلہ (جنہیں دور حاضر میں صادق کہا جاتا ہے) کے واسطہ سے زمین پر اتری۔ اسلامی ایران میں قبل اسلام کے موبدانہ اثرات کے تحت جو ملحدانہ تحریکیں اٹھیں۔ انہوں نے

تناسخ کے اس تصور کو چھپانے کے لیے ''**بروز**''، ''**حلول**'' اور ''**ظلی**'' وغیرہ کی اصطلاحات وضع کیں۔ موبدانہ نظریہ کی وضاحت کے لیے نئی اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیے ضروری تھا کہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو ناگوار نہ گزریں۔ حتیٰ کہ ''**مسیح موعود**'' کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں بلکہ اجنبی ہے اور اس کا مبداء بھی قبل از اسلام کا موبدانہ تصور ہے۔''(۱۰)

اسلام میں ختم نبوت کے تصور کی تہذیبی وثقافتی قدر و قیمت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کا مفہوم بالکل سادہ ہے یعنی محمد ﷺ کے بعد جنہوں نے اپنے پیروؤں کو ایک قابل عمل قانون دے کر آزاد کر دیا جو انسانی ضمیر کی گہرائیوں سے ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ کسی دوسری انسانی ہستی کے آگے روحانی اعتبار سے سر تسلیم خم نہ کیا جائے۔ دینیات کے نقطہ نگاہ سے اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ جس عمرانی وسیاسی نظام کو اسلام کہا جاتا ہے، وہ کامل ومکمل اور ابدی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ایسا الہام ممکن ہی نہیں جس سے انکار مستلزم کفر ہو۔ جو بھی شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرے وہ اسلام سے غداری کا مرتکب ہوگا۔ چونکہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ بانی احمدیت الہام کا حامل تھا لہٰذا وہ پوری دنیائے اسلام کو کافر قرار دیتے ہیں۔ خود بانی تحریک کا استدلال جو صرف قرون وسطیٰ کے کلامی کے لیے زیبا سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ ہے کہ اگر اسلام کے مقدس پیغمبر کی روحانیت دوسرے نبی کی تخلیق نہ کرے تو اس روحانیت کو ناکام سمجھا جائے گا، وہ اپنی نبوت کو اسلام کے مقدس پیغمبر کی نبوت پرور روحانی قوت کی شہادت قرار دیتا ہے، لیکن اگر آپ یہ سوال کریں کہ آیا رسول اللہ ﷺ کی روحانیت ایک سے زیادہ پیغمبروں کی تربیت بھی فرما سکتی ہے تو اس کا جواب نفی میں دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہوا کہ محمد ﷺ (معاذ اللہ) آخری نبی نہ تھے، آخری نبی میں ہوں۔''

بانی احمدیت نے تاریخ انسانیت میں عموماً اور تاریخ ایشیاء میں خصوصاً ختم نبوت کے اسلامی فکر کی

ثقافتی وتہذیبی قدر و قیمت نہ سمجھی اور یہ تصور قائم کر لیا کہ ختم نبوت ان معنی میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی پیروٗ درجہ نبوت تک نہیں پہنچ سکتا رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں ناتمامی کا نشان ہے۔ میں اس کی نفسیات کا مطالعہ کرتا ہوں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اپنے ادعائے نبوت کی خاطر وہ اسلام کے مقدس پیغمبر کی اس خصوصیت سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ تخلیقی روحانیت قرار دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی ''**خاتمیت**'' سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ اس روحانیت کی تخلیقی صلاحیت صرف ایک نبی یعنی بانی تحریک احمدیت تک محدود رکھتا ہے۔ اس طرح یہ نیا نبی چپ چاپ اس بزرگ ہستی کی ''**خاتمیت**'' پر متصرف ہو جاتا ہے جسے وہ اپنا روحانی مورث قرار دیتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ میں اسلام کے مقدس پیغمبر کا بروز ہوں۔ اس طرح وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ (صلعم) کا بروز ہونے کی صورت میں اس کی خاتمیت حقیقتاً خود رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت ہے۔ گویا معاملے کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ دونوں خاتمیتوں کو (اس کی اپنی اور رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت) ایک قرار دے کر وہ تصور خاتمیت کے زمانی مفہوم سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

تاہم ظاہر ہے کہ لفظ بروز کامل مماثلت کے معنی میں بھی اسے فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ بروز بہرحال اصل سے الگ ہوگا۔ صرف اوتار کی حیثیت میں بروز اصل سے متحد ہوتا ہے لہٰذا اگر ہم بروز کے معنی ''روحانی صفات میں مماثل'' قرار دیں تو استدلال بے اثر رہے گا، لیکن اگر اس کے برعکس ہم بروز کے معنی آریائی تصور کے مطابق اوتار لے لیں، تو استدلال بظاہر قابل قبول بن جائے گا مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اس طریق ظہور کا مجوز ایک مجوسی ہے، جس نے بھیس بدل لیا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے اور اس سلسلے میں ہسپانیہ کے عظیم القدر مسلمان صوفی محی الدین ابن عربی کی سند پیش کی جاتی ہے کہ ایک مسلمان ولی کے لیے بھی روحانی ارتقاء کے دوران میں ایسے تجربات ممکن ہیں جنہیں صرف شعور نبوت سے مختص مانا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ شیخ محی الدین ابن عربی کا یہ نظریہ نفسیات کے نقطۂ نگاہ سے نامحکم ہے، لیکن اگر اسے درست بھی مان لیا جائے تو قادیانیوں کا استدلال شیخ محی الدین ابن عربی کے صحیح موقف سے متعلق کاملاً غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شیخ اسے ایک خالصتاً ذاتی تجربہ قرار دیتے ہیں، جس کی بناء پر کوئی ولی ان لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دے سکتا، جو اس پر اعتقاد نہ رکھیں اور ایسا اصلاً ہو ہی نہیں سکتا۔

دراصل شیخ کے نقطۂ نگاہ کے مطابق ایک عہد یا ایک ملک میں ایک سے زیادہ ولی ہو سکتے ہیں، جو شعور نبوت تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے، ایک ولی کے لیے نفسیاتی اعتبار سے عرفان نبوت حاصل کر لینا ممکن ہے تو اس عرفان کی عمرانی و سیاسی اہمیت کوئی نہیں کیونکہ وہ کسی نئی تنظیم کا مرکز نہیں بن سکتا اور اس اعلان کا حقدار نہیں ہو سکتا کہ وہی تنظیم رسول اللہ (صلعم) کے پیروؤں کے لیے ایمان و کفر معیار ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کی صوفیانہ نفسیات سے قطع نظر کرتے ہوئے میں ''فتوحات مکیہ'' سے متعلقہ عبارتوں کا مطالعہ غور و احتیاط سے کر چکا ہوں اور مجھے یقین ہو چکا ہے کہ یہ عظیم القدر ہسپانوی صوفی رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت کا ویسا ہی پختہ معتقد ہے، جیسا کوئی راسخ العقیدہ مسلمان ہو سکتا ہے، اگر اسے صوفیانہ کشف میں معلوم ہو جاتا کہ آگے چل کر مشرق میں تصوف کے بعض ہندوستانی اتائی اس کی صوفیانہ نفسیات کے پردے میں رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت پر زور لگانے کے لیے تیار ہو جائیں گے تو وہ علمائے ہند سے بھی پہلے دنیا کے مسلمانوں کو غداران اسلام کے خلاف متنبہ کر دیتا۔

اب میں احمدیت کی حقیقت پر آتا ہوں۔ تقابلی مذہب کے نقطۂ نگاہ سے اس کے ماخذ پر بحث حد درجہ دلچسپ ہوگی۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی زیر غور آئے گا کہ اسلام سے پیشتر کے مجوسی تصورات کس طرح اسلامی تصوف کے ذریعے سے اس کے بانی پر اثر انداز ہوئے، لیکن میرے لیے یہاں یہ بحث شروع کرنا غیر ممکن ہے، صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ احمدیت کی اصل حقیقت قرون وسطیٰ کے تصوف اور دینیات کے کہر میں چھپی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے ہند نے اسے خالص دینی تحریک سمجھا اور اس کے انسداد کے لیے دینی حربے لے کر نکل پڑے، میں سمجھتا ہوں کہ اس تحریک سے نبٹنے کا یہ طریقہ مناسب نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں علماء صرف جزواً کامیاب ہوئے۔ بانی احمدیت کے الہامات کا نفسیاتی تجزیہ احتیاط سے کیا جائے تو یہ غالباً اصل شخصیت کی داخلی زندگی کا ایک ایک پہلو بروئے کار لانے کے لیے ایک موثر طریقہ ہوگا۔ مولوی منظور الٰہی نے بانی کے الہامات کا جو مجموعہ شائع کیا، میں اس کا ذکر کر دیتا ہوں اس مجموعے میں نفسیاتی چھان بین کے لیے سیر حاصل اور متنوع ذخیرہ موجود ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب بانی احمدیت کے کردار اور شخصیت کے لیے ایک کلید مہیا کرتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کبھی جدید نفسیات کا کوئی نوجوان طالب علم اس کا سنجیدہ مطالعہ اپنا فرض منصبی قرار دے گا، اگر وہ قرآن مجید کو معیار بنالے گا اور یہی اسے کرنا چاہیے۔ البتہ وجوہ

یہاں پیش نہیں کیے جا سکتے اور اگر وہ اپنے مطالعے کو بانی احمدیت اور معاصر غیر مسلم متصوفین مثلاً رام کرشن بنگالی کے تجربات کی تقابلی تحقیق تک توسیع دے گا تو اسے اس تجربے کی اصولی حیثیت کے متعلق ایک سے زیادہ مرتبہ سرمشق حیرت بننا پڑے گا جس کی بناء پر بانی احمدیت کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا جارہا ہے۔(۱۱)

ڈاکٹر محمد اقبال کے فرزند گرامی ڈاکٹر جاوید اقبال علامہ صاحب کے قادیانیت کے خلاف پہلے مضمون کے متعلق فرماتے ہیں:

''1935ء میں احمدیت کی تردید میں اپنا پہلا انگریزی بیان بعنوان ''قادیانیت اور صحیح العقیدہ مسلمان'' تحریر کیا۔ یہ بیان برصغیر کے مختلف انگریزی اخباروں مثلاً ایسٹرن ٹائمز، ٹریبیون، سٹار آف انڈیا کلکتہ، دکن ٹائمز وغیرہ میں شائع ہوا۔ علاوہ اس کے اردو اخباروں میں اس کا ترجمہ بھی چھپا۔ 14 مئی 1935ء کو اسٹیٹسمین نے اسے شائع کیا اور ساتھ اس پر لیڈنگ آرٹیکل بھی لکھا۔''

''قادیانیت اور صحیح العقیدہ مسلمان'' میں مختصراً اقبال کا استدلال یہ تھا کہ مسلمانوں کی ملی وحدت کی بنیادیں مذہبی تصور پر استوار ہیں۔ اگر ان میں کوئی ایسا گروہ پیدا ہو جو اپنی اساس تک ایک نئی نبوت پر رکھتے ہوئے یہ اعلان کرے کہ تمام مسلمان جو اس کا موقف قبول نہیں کرتے وہ کافر ہیں، تو قدرتی طور پر ہر مسلمان ایسے گروہ کو ملت اسلامیہ کے استحکام کے لیے ایک خطرہ قرار دے گا، اور یہ بات اس لیے بھی جائز ہوگی کہ مسلم معاشرے کو ختم نبوت کا عقیدہ ہی سالمیت کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک قبل از اسلام مجوسیت کے جدید احیاء نے جن دو تحریکوں کو جنم دیا، ان میں ایک بہائیت ہے اور دوسری قادیانیت۔ بہائیت اس اعتبار سے زیادہ دیانت پر مبنی ہے کہ وہ اسلام سے اعلانیہ علیحدگی کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ لیکن قادیانیت اسلام کے بعض اہم ظواہر کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی روح اور نصب العین سے انحراف کرتی ہے۔ اقبال کے بیان کے مطابق ''**بروز**''، ''**حلول**'' اور ''**ظل**'' کی اصطلاحات مسلم ایران میں اسلام سے منحرف تحریکوں نے اختراع کیں اور ''**مسیح موعود**'' کی اصطلاح میں مسلم دینی شعور کی تخلیق نہیں ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے حاکموں کے لیے بہترین راستہ یہی ہے کہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دے دیں۔(۱۲)

اس بیان پر احمدی اخباروں نے کئی اعتراض کیے اور اقبال پر مختلف قسم کے الزام لگائے۔ ہفتہ وار

''**لامیٹ**'' کے نمائندے نے ان کی توجہ ایک اور احمدی ہفتہ وار ''**سن رائز**'' کی طرف مبذول کراتے ہوئے سوال کیا کہ اس اخبار کے مطابق انہوں نے کسی گزشتہ خطبے میں احمدیت کے متعلق مختلف رائے کا اظہار کیا تھا سواُن کے اب کے بیان اور خطبہ میں تناقض کیوں ہے۔ علامہ اقبال کا جواب تھا کہ وہ یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتے کہ اب سے اربع صدی پیشتر انہیں اس تحریک سے اچھے نتائج کی توقع تھی۔ لیکن کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں ظاہر نہیں ہوجاتی بلکہ اپنے مکمل اظہار کے لیے کئی عشرے لے لیتی ہے۔ اس تحریک کے دوگروہوں کے درمیان اندرونی اختلافات بھی اس حقیقت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ جولوگ بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے، انہیں بھی یہ معلوم نہ تھا کہ آگے چل کر تحریک نے کیا صورت اختیار کرنی ہے۔ درخت کو جڑ سے نہیں اس کے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پس اگر ان کے رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل لے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے۔ (۱۳)

علامہ اقبال نے اسٹیٹسمین کے لیڈنگ آرٹیکل میں اپنے بیان پر تبصرہ کا جواب ایک خط کے ذریعے دیا جو جون 1935ء کو اسٹیٹسمین میں شائع ہوا۔ جواب کے اہم نکات یہ تھے:

اوّل:

یہ کہ برصغیر کے مسلمانوں کی طرف سے کسی رسمی عرض داشت کی وصولی کا انتظار کیے بغیر انگریزی حکومت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں اور احمدیوں کے عقائد میں بنیادی اختلاف کا انتظامی طور پر نوٹس لے، جیسے کہ سکھوں کو 1919ء تک انتظامی اعتبار سے ایک علیحدہ سیاسی یونٹ نہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں بغیر ان کی طرف سے کسی رسمی عرض داشت کی وصولی کے انہیں ایسا تصور کیا گیا، باوجود اس کے کہ ہائی کورٹ لاہور کے فیصلہ کی رو سے سکھ کوئی علیحدہ مذہبی فرقہ نہیں بلکہ ہندو تھے۔

دوم:

یہ کہ احمدیوں کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے یا تو بہائیوں کی طرح مسلمانوں سے اپنے آپ کو خود مذہباً الگ کر لیں یا مسئلہ ختم نبوت کے متعلق اپنی تمام ترغیبات مسترد کر کے

اسلامی مؤقف قبول کریں آخر دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے ان کا اسلام کے منافی نکات اپنانے میں اور کیا مقصد ہوسکتا تھا سوائے اس کے کہ سیاسی فائدہ اٹھایا جائے۔

سوم:

یہ کہ (اور خصوصی اہمیت رکھتا تھا) احمدیوں کو علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دینے میں اگر انگریزی حکومت نے مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانان برصغیر یہ شک کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ انگریزی حکومت جان بوجھ کر اس مذہبی فرقہ کو اس وقت تک مسلمانوں سے الگ نہ کرے گی جب تک کہ احمدیوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوجاتا، کیونکہ فی الحال احمدی اپنی تعداد میں کمی کے سبب پنجاب میں سیاسی طور پر مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کے علاوہ ایک چوتھا مذہبی فرقہ بن سکنے کے قابل نہ تھے۔ لیکن اگر ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو وہ پنجاب میں مسلمانوں کی تھوری سی اکثریت کو صوبائی لیجسلیچر میں شدید نقصان پہنچا سکتے تھے۔ پس اگر انگریزی حکومت 1919ء میں سکھوں سے کسی رسمی عرضداشت کی وصولی کا انتظار کیے بغیر انہیں ہندوؤں سے الگ مذہبی فرقہ تسلیم کرسکتی ہے تو اس ضمن میں اسے احمدیوں کی طرف سے کسی رسمی عرضداشت کی وصولی کا انتظار کیوں ہے۔ (۱۴)

مسلمانوں نے اس بیان کا پرزور خیر مقدم کیا جب کہ قادیانیوں نے اس پر سخت تنقید کی مرزا محمود نے 24 مئی 1935ء کو جمعہ کا پورا خطبہ اس کے جواب میں صرف کیا لیکن یہ جواب کسی ٹھوس دلیل سے عاری تھا۔ اخبار سٹیٹمین کلکتہ نے اس بیان پر ایک اداریہ لکھا جس کے جواب میں علامہ اقبال نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ قادیانیوں کے لیے دو راستے کھلے ہیں یا تو وہ بہائیوں کی طرح اسلام سے الگ ہو جائیں یا ختم نبوت کی من مانی تاویلات چھوڑ دیں انہوں نے حکومت کو مشورہ دیا کہ جیسا انہوں نے سکھوں کے معاملہ میں انہیں بغیر کسی رسمی مطالبہ کے 1919ء میں ہندوؤں سے علیحدہ قرار دیا تھا ایسے ہی احمدیوں کو الگ اقلیت قرار دیا جائے۔ (۱۵)

قادیانیوں کو اپنے دفاع کے لیے اگر کوئی سیاسی رہنما میسر آیا تو وہ پنڈت جواہر لال نہرو تھے جو اس

وقت المورٰہ جیل میں نظر بند تھے انہوں نے وقفے وقفے سے جیل سے تین مختصر مضامین اخبار ماڈرن ریویو کلکتہ کو اشاعت کے لیے روانہ کیے جن کا علامہ اقبال نے تفصیلی جواب دیا۔

پنڈت نہرو کا کہنا تھا کہ عربوں میں قوم پرستی کی لہر جاری ہے جو پرانے مذہبی عقائد کی جگہ لے رہی ہے۔قومیں اسلامی استحکام سے دور ہوگئی ہیں کیونکہ انہوں نے قوم پرستانہ جذبات کو اپنالیا ہے ان حالات میں قادیانیت کے مسئلے کی ثانوی حیثیت رہ جاتی ہے۔علامہ اقبال نے اس کے جواب میں لکھا کہ پنڈت نہرو اور قادیانی دونوں مختلف وجوہ کی بناء پر مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی استحکام سے خوفزدہ ہیں وہ اصل میں شمال مغربی علاقے کے ہندوستانی مسلمانوں کے حق خودارادیت کے حصول کی خواہش کے خلاف ہیں۔قادیانی مسلمانوں کے سیاسی شعور کی بیداری سے گھبراتے ہیں کیونکہ یہ ان کی عزائم کی راہ میں حائل ہے اور ان کو رسول عربیﷺ کی امت کے اندر سے ایک نئی امت بنانے کی سازش سے روکتی ہے(۱۶)۔

20/جون 1936ء کے ایک خط میں علامہ اقبال پنڈت نہرو کو لکھتے ہیں کہ:

''احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں''(۱۷)۔

علماء کرام سے استفسار

علامہ محمد اقبال نے قادیانیت کا مکمل محاسبہ کرنے کے لیے اس وقت کے جید علمائے کرام سے رابطہ قائم رکھا اور ان سے ضروری سوال پوچھے اس سلسلے میں ہم نمونہ کے طور پر مولانا سید سلیمان ندوی کے نام دو خطوط درج کرتے ہیں۔

بھوپال، شیش محل

یکم اگست، 1935ء

مخدوم مکرم جناب مولینا!

السلام علیکم!

آپ کا والا نامہ مجھے ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہو۔ چند امور اور بھی دریافت طلب ہیں اُن کے جواب سے بھی ممنون فرمایئے۔(۱)

1- تکملہ مجمع البحار، صفحہ 85 میں حضرت عائشہؓ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ یعنی کہ کہ حضور رسالت مآب ﷺ کو خاتم النبین کہو، لیکن یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔(۲)

مہربانی کر کے کتاب دیکھ کر یہ فرمایئے کہ آیا اس قول کے اسناد درج ہیں اور اگر ہیں تو آپ کے نزدیک ان اسناد کی حقیقت کیا ہے؟

ایسا ہی قول درمنثور، جلد پنجم، صفحہ 204 میں ہے، اس کی تصدیق کی بھی ضرورت ہے۔ میں نے یہاں بھوپال میں یہ کتب تلاش کیں افسوس اب تک نہیں ملیں۔

2- حج الکرامہ، صفحہ 231-227 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے متعلق ارشاد ہے من قال بسبب نبوته كفر حقاً اس قول کی آپ کے نزدیک کیا حقیقت ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1- اُس وقت وہ (علامہ مرحوم) ردِ قادیانی پر اپنا مضمون تیار کر رہے تھے۔

2- جی ہاں! اس کتاب میں یہ روایت ہے، جو مصنف ابنِ ابی شیبہ سے لی گئی ہے لیکن اس کی سند مذکور نہیں جو روایت کی صحت وصنف کا پتہ لگایا جائے اور اگر صحیح ہو بھی تو یہ حضرت عائشہؓ کی محض رائے ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بار بار خود فرمایا ہے لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے خیال میں اس لیے ایسا کہنے سے منع کیا کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کا انکار اس سے لوگ نہ سمجھنے لگیں۔ بہرحال یہ اُن کا خیال ہے جس کا صحیح ہونا ضروری نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب خود حضور ﷺ کے قول کے خلاف ہو۔

3- لو عاش ابراهيم لكان نبیاً۔ اس حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، نووی اسے معتبر نہیں جانتا۔ ملا علی قاری کے نزدیک معتبر ہے۔ کیا اس کے اسناد درست ہیں۔

4- بخاری کی حدیث "واما مکم منکم" میں واؤ حالیہ ہے کیا؟(۲) اگر حالیہ ہو تو اس حدیث کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے سے مسلمانوں کو کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ جس وقت وہ آئیں گے مسلمانوں کا امام خود مسلمانوں میں سے ہوگا۔

5- ختم نبوت کے متعلق اور بھی اگر کوئی بات آپ کے ذہن میں ہو تو اس سے آگاہ فرمائیے۔ زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال (۱۸)

3- جی ہاں وہی روایت بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ اس کتاب میں بھی ہے اور اس کی نسبت پہلے لکھ چکا ہوں۔

4- حج الکرامہ فی آثار القیامہ، نواب صدیق حسن خان کی کتاب ہے۔ حضرت عیسیٰ کی آمدِ ثانی بصفت نبوت ہوگی یا بلاصفت نبوت۔ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے۔ نواب صاحب کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بصفت نبوت ہوگی اس لیے وہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ ان کی آمدِ ثانی میں ان کی صفتِ نبوت کا انکار کرتے ہیں وہ مرتکب کلمہ کفر ہیں۔ بہر حال یہ رائے ہے۔

5- یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔ اس روایت کو بعض محققین نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فرضاً ہے واقعہ نہیں کیونکہ لو فرض اور عدم وقوع کے لیے آتا ہے، اسی سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لیے ابراہیم بن محمد کو بچپن ہی میں اٹھا لیا گیا۔ چنانچہ دوسری روایتوں میں یہی مذکور ہے۔ چنانچہ خود ابن ماجہ میں اور بخاری میں ہے۔ ولو قضى ان يكون بعد محمد نبي لعاش ابنه ولكن لا نبي بعده (ابن ماجہ، جنائز، بخاری، انبیاء) یعنی یہ کہ اگر فیصلہ الٰہی یہ ہوتا کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ کے صاحبزادہ زندہ رہتے لیکن یہ فیصلہ الٰہی ہو چکا تھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ملا علی قاری نے اس کو موضوعات میں لیا ہے، اس کو معتبر نہیں کہا ہے۔ ضعیف کہا ہے۔ اس میں ابوشیبہ ابراہیم راوی ضعیف ہے بلکہ وہ متروک الحدیث، منکر الحدیث، باطل گو اور دروغ گو تک کہا گیا ہے۔ اس کے بعد بشرطِ صحت مُلّا نے اس کا تاویل کی ہے۔ بہر حال اس حدیث کا وہی مطلب ہے جو اس حدیث کا ہے۔ لو كان بعدی نبیا لكان عمر (مسند احمد، ترمذی) یعنی یہ کہ اگر میرے بعد نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمرؓ بن خطاب نبی ہوتے لیکن چونکہ ممکن نہیں اس لیے نہ وہ اور نہ کوئی اور نبی ہو سکتا ہے۔

۲- صحیح یہی ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ عیسائیوں پر حجت ہوں گے اور مسلمانوں کی تائید فرمائیں گے۔

بھوپال،شیش محل

۲۳/اگست 1933ء

مخدوم مکرم جناب مولینا!

السلام علیکم!

ایک عریضہ لکھ چکا ہوں اُمید کہ پہنچ کر ملاحظہ عالی سے گذرا ہوگا۔ایک بات دریافت طلب رہ گئی تھی جواب عرض کرتا ہوں۔

کیا علمائے اسلام میں کوئی ایسے بزرگ بھی گذرے ہیں جو حیات و نزول مسیح ابن مریم (علیہا السلام) کے منکر ہوں؟ یا اگر حیات کے قائل ہوں تو نزول کے منکر ہوں؟ معتزلہ کا عام طور پر اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟(۱)

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ میں 28/اگست کی شام کو رخصت ہو جاؤں گا۔علاج کا کورس اس روز صبح ختم ہو جائے گا۔اس خط کا جواب لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیے۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال (۱۹)

○ کتاب میں سن یونہی درج ہے مگر خطوط کی سن وار ترتیب کو دیکھتے ہوئے یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔صحیح سن 35 ہے۔ جسے کاتب نے غلطی سے 33ء کر دیا۔

۱۔ مجھے جہاں تک علم ہے نزول مسیح علیہ السلام کا انکار کسی نے نہیں کیا۔معتزلہ کی کتابیں نہیں ملتیں جو حال معلوم ہو۔البتہ ابن حزم وفات مسیح علیہ السلام کے قائل تھے ساتھ ہی نزول کے بھی۔

شاعری میں قادیانیت کی تردید

علامہ اقبال نے اپنے متعدد اشعار میں قادیانیت کے مذہبی فلسفہ اور سیاسی افکار کو تنقید کا نشانہ بنایا اور ملت اسلامیہ کو اس کے ملت کش عوامل سے روشناس کرایا آپ کے اشعار مختلف عنوانات کے تحت درج کیے جاتے ہیں۔

الہام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد (۲۰)

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد

اے مرد خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد

مسکینی و محکومی و نومیدئ جاوید
جن کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

ہو بندہ آزاد اگر صاحب الہام
ہے اس کی نگہ فکروعمل کے لیے مہمیز

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز (۲۱)

درس غلامی

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق (۲۲)

جعلی نبوت

غدار وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلماں کو گداگر

پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر (۲۳)

عصر من پیغمبر ہم آفرید
آنکہ در قرآں بغیر از خود ندید

نعمت اغیار را رحمت شمرد
رقص ہا گرد کلیسا کرد و مرد

زیں کلیماں نیست امید کشود
آستیں ہا بے ید بیضا چہ سود (۲۴)

انگریز پرستی کے خلاف

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی بیزار کرے (۲۵)

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلمان کی سلاطیں کا پرستار کرے

سخت باریک ہیں امراض امم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیاں کوتاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں فقط اک فلسفہ روباہی

ہو اگر قوت فرعون کی در پردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللّٰہی (۲۶)

مہدی

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیّار

دنیا کو ہے اس مہدئ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلۂ عالمِ افکار (۲۷

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

لیکن جنابِ شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر

تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں اب کہاں
ہوں تو بھی دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

تلقین اس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

ہم پوچھتے ہیں شیخِ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے در گذر (۸

لا نبی بعدی

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بررسول ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفل ایام را
اُو رُسل را ختم و ما اقوام را

خدمت ساقی گری باما گزاشت
داد مارا آخریں جامے کہ داشت

لا نبی بعدی زاحسان خدا است
پردۂ ناموس دین مصطفیٰ است

قوم را سرمایۂ قوت ازُو
حفظ سر وحدت ملت ازُو

حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست
تا ابد اسلام را شیرازہ بست

دل زغیر اللہ مسلماں برکند
نعرۂ لا قوم بعدی می زَند (۲۹)

ترجمہ:

1- خداتعالیٰ نے ہم پر شریعت اور ہمارے رسول اللہ ﷺ پر رسالت ختم کر دی۔

2- ہمارے رسول اللہ ﷺ پر سلسلہ انبیاء اور ہم پر سلسلہ اقوام تمام ہو چکا، اب بزم جہاں کی رونق ہم سے ہے۔

3- میخانہ شرائع کا آخری جام ہمیں عطا فرمایا گیا، قیامت تک ساقی گری کی خدمت اب ہم ہی انجام دیں گے۔

4- رحمۃ للعالمین ﷺ کا یہ فرمان کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ احسانات خداوندی میں سے ایک بڑا احسان ہے۔ دین مصطفی ﷺ کی عزت و ناموس کا محافظ بھی یہی ہے۔

5- مسلمانوں کا اصل سرمایہ قوت یہی عقیدہ ختم نبوت ہے اور اسی میں وحدت ملت کے تحفظ کا راز پوشیدہ ہے

6- اللہ عزوجل نے (حضور ﷺ کے بعد) ہر دعوی نبوت کو باطل ٹھہرا کر اسلام کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے مجتمع کر دیا ہے۔

7- اسی عقیدہ کے باعث مسلمان ایک اللہ کے سوا سب سے تعلق توڑ لیتا ہے اور امت مسلمہ کے بعد کوئی امت نہیں، کا نعرہ بلند کرتا ہے۔

نبوت

میں نہ عارف نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نوبت کا مقام
وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام (۳۰)

علامہ اقبال نے جس بھرپور انداز میں قادیانی تحریک کا محاسبہ کیا اس کے نتیجے میں مسلم اہل فکر اس تحریک کی حقیقت سے باخبر ہو گئے۔ ان کا یہ مطالبہ کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ 1935ء کے بعد اسلامیان ہند کی آواز بن گیا۔ اپنے تحقیقی مقالے میں علامہ صاحب نے قادیانیت پر تنقید کرتے ہوئے جو اصول وضع کیے اور جو دینی حقائق بیان کیے ہیں اس کی روشنی میں اس تحریک کے معاشرتی اور سیاسی مضمرات واضح ہو گئے۔ یہ ایسے رہنما اصول ہیں جن کی روشنی میں ہر اسلام مخالف تحریک کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اسلام سے بغاوت کرنے والی تحریکوں کی اساس ختم نبوت سے انکار پر قائم کی جاتی ہے تا کہ وہ اسلامی شریعت میں ردوبدل کے لیے راہ نکال کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کر سکیں۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ میرزائیل، شورش کاشمیری، ص24، (چٹان میں مطبوعہ مضامین کا مجموعہ) 1973ء

۲۔ تاریخ احمدیت، جلد ہشتم، ص:189

۳۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیت اقبال، اقبال اکیڈمی لاہور، 1982ء ص:459

۴۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، زندہ رود، جلد سوم، ص:552-551، لاہور 1984ء

۵۔ ہفت روزہ چٹان لاہور 22 اپریل 1947ء

۶۔ زندہ رود، ص:579، بحوالہ فضل حسین ایک سیاسی بیاگرافی از عظیم حسین (انگریزی) صفحات 314-313، میاں فضل حسین کی ڈائری اور نوٹس مرتبہ ڈاکٹر وحید احمد (انگریزی) اندراجات ڈائری مورخہ 17 مئی و 22 مئی 1932ء صفحات 140-138

۷۔ زندہ رود، ص:579، بحوالہ فضل حسین ایک سیاسی بیاگرافی از عظیم حسین (انگریزی) صفحات 314-313، میاں فضل حسین کی ڈائری اور نوٹس مرتبہ ڈاکٹر وحید احمد (انگریزی) ص154

۸۔ زندہ رود، ص598-597

۹۔ لطیف احمد شیروانی، حرف اقبال، لاہور 1977ء ص:231

۱۰۔ لطیف احمد شیروانی، حرف اقبال ص:173

۱۱۔ زندہ رود، ص257-255

۱۲۔ بیان کے انگریزی متن کے لیے دیکھیے "اقبال کی تقریریں اور بیانات"، مرتبہ اے۔آر۔طارق (انگریزی) ص 98-91

۱۳۔ ایضاً، صفحات 104-99، بحوالہ زندہ رود، ص552

۱۴۔ ایضاً، صفحات 108-105، بحوالہ زندہ رود، ص552-551

۱۵۔ ایضاً، ص:174

۱۶۔ ایضاً، ص:7-176

۱۷۔ A Bunch of Old Letters, London, 1958, p:187

۱۸۔ مکاتیب اقبال ج ا، ص194-191، مرتبہ شیخ عطاء اللہ ایم۔اے

۱۹۔ ایضاً ص196

۲۰۔ ضرب کلیم، ص35، 1986، لاہور

۲۱۔ ضربِ کلیم،ص54
۲۲۔ ضربِ کلیم،ص22
۲۳۔ ضربِ کلیم،ص26-27
۲۴۔ مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق،ص32-24، 1985، لاہور، طبع نہم
۲۵۔ ضربِ کلیم،ص50-49
۲۶۔ ضربِ کلیم ،ص158، 1986، لاہور
۲۷۔ ضربِ کلیم،ص44
۲۸۔ ضربِ کلیم،ص28
۲۹۔ مجموعہ اسرار و رموز،ص102، 1986، لاہور
۳۰۔ ضربِ کلیم،ص56

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے